حکیم ایسے حل پیش کرتا ہے جن کے بہت وسیع عملی مضمرات ہیں۔ (ترجمہ: فیضان اللہ خان)

[وحیدہ چشتی ویلیانٹ ایك سائکو تھراپسٹ ھیں جنھوں نے خاندانی اصلاح کاری (Family Counselling) میں تخصص حاصل کیا ھے۔ انھو ں نے امریکہ اور کینیڈا دونوں ملکوں کے تعلیمی اداروں میں اور ماھرین کے سامنے اسلامی تناظر میں خاندانی مسائل کے حل سے متعلق بہت سی گفتگوئیں اور presentations کی ھیں۔]

مسلمان تارکین وطن اور امریکی عوام کا رویہ-۱۱ستمبر۲۰۰۱ء کے بعد

کیتھلین ایم مور *

''میری بات سنو پروفیسر! تمہیں امریکہ کی تاریخ کے بارے میں ابھی بہت سیکھنا ہے۔تم کو لیڈی لبرٹی (مجسمۂ آزادی) کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، جو بندرگاہ پر اپنے ہاتھ میں مشعل بلند کیے کہہ رہی ہے کہ اپنے غریب، سست، میلے کچیلے اور بیکار لوگ مجھے دے دو (تا کہ میں اُنہیں راستہ دکھاؤں)''۔(Archie Bunker, "All in the Family")

یہ الفاظ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں ٹیلی ویژن کے ایک افسانوی کردار کے ہیں جو بیسویں صدی کے دوسرے نصف کے دوران امریکہ میں ترکِ وطن کر کے آنے والے غیر ملکیوں کے بارے میں متعصّبانہ خیالات اور رویے کا اظہار کرتا ہے۔جن لوگوں نے آرشی بنکر کا پروگرام ''آل ان دی فیملی'' دیکھا ہے فی الواقع ان کے لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں ایسا تعصب رکھتا ہے۔آرشی بنکر کا یہ تعصب واقعاتی مزاح کا جزو خاص ہے۔آرشی ہر لحاظ سے محنت کش طبقے کی مزاحیہ انداز میں نمائندگی کرتا ہے۔ایک ایسے گھرانے کا فرد جو ایک گھر میں رونما ہونے والے تمام حالات کا ایک مخصوص ردِعمل کے تحت اپنے طور پر اپنے ذاتی تاثرات اور رجحانات کا تانا بانا بنتا رہتا ہے۔

اپنے داماد کے مفادات کی خاطر آرشی مسلسل زبان درازی کیے جا رہا ہے اور امریکہ کی عظمت کے گن گائے جا رہا ہے کہ ہر نسل، رنگ اور قومیت کے لوگ ترکِ وطن کر کے آزادی سے امریکہ میں اپنے مخصوص علاقوں میں آباد ہو سکتے ہیں۔ایک الجھی ہوئی اور پیچیدہ سچائی کے بارے میں آرشی کا یہ بظاہر بھولپن قارئین کے منہ پر ایک کھلا اور پریشان کن طنز ہے۔ایک ایسی قوم میں، جس کے بارے میں ابراہیم لنکن نے کہا تھا: ''آزادی کی حامل قوم اور اپنے اس قول کہ ''تمام انسان یکساں پیدا کیے گئے ہیں'' پر مکمل

* Kathleen M. Moore, "United We Stand': American attitudes toward (Muslim) immigration post -September 11th," *The Muslim World,* Hartford, Spring 2002, pp. 39-58

طور پر مخلص، کچھ لوگ مساوی نہیں ہیں اور صرف اس صورت میں آزادی کے ساتھ رہ سکتے ہیں جب تک وہ اپنے مخصوص علاقوں تک محدود رہیں۔ آرشی کی یہ خوش طبعی غالباً اس لیے مؤثر اور کارگر نظر آتی ہے کہ آرشی کے یہ دلائل تعصب سے بھرپور ہیں۔ آرشی کے کردار سے پہلے سے واقف لوگ اس کے نسلی امتیاز کے مفروضوں پر اس کے ان الفاظ سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ آرشی کے طنز اور اس کے حسین مزاح پر ہم ایک کھسیانی ہنسی ہی ہنس سکتے ہیں کیونکہ وہ اس تضاد کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ایک طرف تو مساوات کے نعرے لگانے اور دوسری طرف تارکین وطن پر پابندی اور انہیں محدود کر دینے کے مابین ہے۔ جہاں یہ ممکن ہے کہ امریکی عوام کا مقصد دنیا کے جلاوطنوں اور مہاجروں کو ایک پناہ گاہ اور ان کے لیے مساوی سلوک کی پیشکش کرنا رہا ہو لیکن اس عوامی پالیسی کا نتیجہ بہرحال کچھ زیادہ فرخدلانہ نہیں نکلا۔ آرشی کے الفاظ اس کم زیر بحث رہنے والے راز سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں کہ اکثر لوگ معاشرے کی اس طرح الگ الگ حصوں میں تقسیم پر خاص حد تک مطمئن ہیں اور یہ بھی کہ امریکی عوام بھی امریکہ کی نسلی امتیاز پر مبنی امیگریشن پالیسی سے مطمئن ہیں۔

کیا آبادی کے اعداد و شمار میں ایک انقلاب رونما ہونے والا ہے؟

ایک مرتبہ پھر امریکہ کے منتخب قائدین تارکین وطن کے بارے میں اہم اصلاحات کی تجاویز کو زیر غور لا رہے ہیں۔ امریکہ میں ترک وطن (امیگریشن) کی اجازت کے فوائد و نقصانات امریکہ عوامی سوچ کی کسوٹی پر پرکھے جا رہے ہیں۔ ایک حقیقت واضح ہے کہ امریکی امیگریشن پر موجود کنٹرول ناکام ہو چکا ہے اور کچھ مزید کرنا ضروری ہے۔ اس بحث مباحثہ کی گہرائی اور متن سے ایک عام قاری ممکن ہے یہ رائے قائم کرے کہ امریکہ میں نقل مکانی (امیگریشن) پر مزید پابندیوں کے پس پشت استدلال کی نوعیت معاشی ہے۔

مثال کے طور پر ۱۹۹۴ء کے الیکشن میں کیلی فورنیا کے گورنر نے اپنی انتخابی مہم کے دوران قانونی ترمیم کی شق نمبر ۱۸۷ کے دفاع کا وعدہ کیا جس کے تحت غیر قانونی طور پر ترک وطن کر کے امریکہ آنے والوں کے بچوں کو امریکی شہریت نہیں دی جائے گی۔ لیکن مہم کے دوران ان جوشیلی اور فصیح و بلیغ تقاریر میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ عوام کے شہری حقوق کے طور پر کون سماجی مراعات (social benefits) کا مطالبہ کر

سکتا ہے؟ یہ ایک معاشی مسئلہ بن گیا ہے اور اسی طرح سوشل ویلفیئر کی پرائیوٹائزیشن کا مسئلہ اخلاقی اقدار سے ہٹ کر ایک معاشی ضرورت میں تبدیل ہو چکا ہے۔

تاہم اس مضمون میں ان غیر معاشی عوامل کو اجاگر کیا گیا ہے جو موجودہ ترک وطن کے قوانین کی رو سے مختلف گروہوں اور امریکی عوام کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہے۔ کیونکہ سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس معاملے میں پالیسی ساز اکثر عوامی رویوں اور تجارت پیشہ اشرافیہ کے رجحات ورد عمل سے بڑا اثر لیتے ہیں۔ ترک وطن پر خصوصی کنٹرول کے بارے میں عوام کی حمایت کا ایک تجزیہ بھی پیش نظر ہے جبکہ اصل سروے جس کی بنیاد پر یہ مضمون لکھا گیا ہے وہ بھی ۱۱ستمبر کے واقعہ کے بعد امریکن پٹریاٹ ایکٹ ۲۰۰۱ء کے نفاذ کے بعد عوام کے ردعمل کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ ایکٹ ایک انسداد دہشت گردی کا قانون ہے جو شہری حقوق کو محدود کر دے گا۔ ۱۱ستمبر کے بعد کے عوامی تاثرات اور ردعمل کے جائزے سے یہ معلوم ہونے کی توقع ہے کہ ترک وطن پر جاری بحث کے پس پشت کیا عوامل کارفرما ہیں، اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے اور اس سے مقصود کیا تھا؟

امریکہ میں ترک وطن محدود کرنے میں معاشی محرکات اہم ہیں لیکن اس پالیسی کے ثقافتی اور نسلی اعتبار سے مسلسل پڑنے والے منفی اثرات کی وضاحت کے لیے صرف معاشی محرکات کا ہونا کافی نہیں۔ امیگریشن پالیسی میں ۱۹۶۰ء میں کی جانے والی اصلاحات کے بعد تیسری دنیا کے ممالک سے بڑی تعداد میں لوگوں نے امریکہ میں ترک وطن کیا جس سے امریکہ کا سماجی و آبادیاتی ڈھانچہ تبدیل ہو گیا۔ اکثر ماہرین کے خیال میں بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں امریکہ آنے والے نئے تارکین وطن کا تعلق یورپ سے نہیں تھا اور اس صدی کے نصف اول میں آنے والے اپنے پیش رؤں کی نسبت ان میں بے گھر کسانوں اور کارکنوں کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ شہری پیشہ ور (پروفیشنل) لوگ بھی کافی تھے۔ بیسویں صدی کے آخر میں زیادہ لوگ ہسپانیہ اور ایشیاء سے آئے۔

چونکہ نئے تارکین وطن اپنی ہئیت، زبان اور مذہب کے اعتبار سے بے حد گوناں گوں تھے چنانچہ ترک وطن (امیگریشن) پر پابندی لگانے کی منظم کوششیں امریکی سیاست میں باعث نزاع بن گئیں۔ ان پابندیوں کے حامیوں نے امریکہ آنے والے تارکین وطن کے حجم اور ساخت کو کنٹرول کرنے کے لیے

کانگریس میں متعدد بل پیش کیے۔ ۱۹۹۶ء تک کانگریس وفاقی قانون سازی کی سطح پر تین اہم بل منظور کر چکی تھی جن میں یہ شقیں رکھی گئی تھیں کہ معاشی کنگلوں، دہشت گردوں اور ضروری دستاویزات کے بغیر اجنبیوں کو امریکہ آنے سے روکا جائے۔ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ بظاہر تارکین وطن کے حقوق کو بھی یقینی بنایا جائے۔ ان دوہرے (بلکہ اکثر متضاد) مقاصد سے غیر ملکیوں پر عمومی عدم اعتماد آشکار ہو گیا اور قانونی تارکین وطن کا ادغام بھی غیر یقینی ہو گیا۔ اگرچہ دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ ان قوانین کا مقصد قومی سرحدوں کی حفاظت، غربت کا خاتمہ اور نئے تارکین وطن کی معاشرے میں شمولیت کو یقینی بنانا ہے تاہم حقیقتاً ان سے تارکین وطن کی حیثیت کمزور ہوتی اور ان کے سیاسی حقوق صلب ہوتے ہیں۔ اس منتشر اور متضاد ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے بڑے پیمانے پر عوامی حمایت کے حصول کی ضرورت ہے۔

یہ سب کچھ امریکی شہریوں، مستقل رہائشیوں اور امریکہ کا دورہ کرنے والے عرب اور جنوبی ایشیائی باشندوں کی طرف سے بطور خاص محسوس کیا جا رہا ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حملوں کے بعد سے یہ ہمیشہ سے زیادہ بڑا سچ ہے۔ اگرچہ قبل ازیں دہشت گردی کے واقعات مثلاً ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکا اور ۱۹۹۵ء میں اوکلاہوماسٹی کی مُرّہ فیڈرل بلڈنگ پر بمباری کے بعد بھی ردعمل کم و پیش ایسا ہی تھا۔ یہ شاید بدقسمتی سے امریکہ میں عرب اور جنوبی ایشیائی نژاد لوگوں اور مسلم عقائد کے حامل افراد کی شہری آزادیوں پر قدغنوں کی شروعات ہو۔ اکثر اخبارات نے ۱۱ ستمبر کے بعد ان لوگوں کے خلاف نفرت پر مبنی جرائم میں نمایاں اضافے کی خبریں دی ہیں، اسی طرح ان حملوں کے بعد ہوائی جہازوں کے مسافروں میں سیکورٹی کے انتظامات کے دوران عربوں اور جنوبی ایشیائی لوگوں کو امتیاز کا نشانہ بننا پڑا ہے اور ۱۱ ستمبر کے بعد جب ہوائی جہازوں سے دوبارہ سفر شروع ہوا تو مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے کئی مسافروں کو جہازوں سے اتر جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس طرح امیگریشن پر پابندی کے حامیوں کے ہاتھ میں ''اسلامی بنیاد پرستوں سے عوامی خوف'' کی صورت میں ایک آسان ہتھیار آ گیا جو مغربی ممالک میں اسے آزادانہ استعمال کر رہے ہیں۔ کیا اس کا مطلب ترک وطن پر پابندی کے حامیوں کی عوامی حمایت میں اضافہ ہونا ہے؟ اس کا انحصار اس پر ہے کہ سرکاری افسران مثلاً جارج ڈبلیو بش عوام کو کہاں تک اس پر قائل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ (۱) امریکہ کی جنگ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ دہشت گردوں کی مختصر جماعت کے خلاف

ہے اور (۲) امریکہ امیگریشن کو بہتر اور مؤثر انداز میں کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس سے قومی سلامتی کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

۱۱ستمبر کے بعد امریکی عوام کا مسلمانوں کے ساتھ رویہ

۱۱ستمبر کے واقعہ کے بعد مصنف نے امریکی لوگوں کے شہری حقوق اور حفاظتی اقدامات کے بارے میں امریکی عوام کے رویے یا ردعمل کو جانچنے کے لیے نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کی مالی امداد سے یونیورسٹی آف کنیکٹی کٹ کے سنٹر آف سروے ریسرچ کے ذریعے اکتوبر/ نومبر ۲۰۰۱ء میں ایک قومی سروے کا اہتمام کیا۔ نمونے کے طور پر ۱۱۴۷ افراد سے جوابات مانگے گئے تھے جن کی عمریں اٹھارہ سال سے زائد تھیں۔

یہ جائزہ امریکہ کے موجودہ ترک وطن کے قوانین کے بارے میں ہی نہیں بلکہ امریکہ میں مقیم مسلمانوں، عرب امریکیوں اور جنوبی ایشیائی امریکیوں کے شہری حقوق کے بارے میں بھی ہے۔ موازنہ کی غرض سے اس سروے کے سوالنامے کو (quasi-experimental) طرز پر جو کہ ریسرچ کا ایک مخصوص طریقہ ہے، وضع کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جواب دینے والوں سے پوچھا جائے کہ وہ کس حد تک ترک وطن سے متعلق ان حکومتی اقدامات کی حمایت کریں گے:

(۱)۔ ٹیلی فون اور کمپیوٹر کے ذریعے مراسلت کی مانیٹرنگ (۲)۔ طلباء کے ویزوں پر پابندی۔ (۳)۔ ہوائی سفر کرنے والے مسافروں کی مذہبی بنیادوں پر چھانٹی اور ان کے خاکے تیار کرنا۔ (۴)۔ پولیس کی گرفتاری اور تلاشی پر پابندیوں کو نرم کرنا۔

جواب دینے والوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پچاس فیصد سے ان اقدامات کو امریکہ کی پوری آبادی پر لاگو کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا اور پچاس فیصد سے ان اقدامات کو خصوصی طور پر عربوں اور امریکہ کی شہریت رکھنے والے مسلمانوں پر لاگو کرنے کے بارے میں پوچھا گیا۔

امریکہ میں ترک وطن پر لوگوں کے رویہ کے سلسلہ میں ایک طویل تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ آزاد اور نرم ترک وطن کی پالیسی کے وقت (جبکہ اعلیٰ پیمانے پر ترک وطن کی اجازت تھی) بیروزگاری

اور رہن سہن کے گرتے ہوئے معیار کے سبب عوام کی کثیر تعداد نے امریکی معیشت کی تباہی کا ذمہ دار نئے تارکین وطن کی آمد کو ٹھہرایا۔

کئی ماہرین کے خیال میں دوسروں پر الزام دھرنے (scap-goating) کا یہ رجحان سیاستدانوں اور مزدور لیڈروں کے ان الزامات کے سبب پیدا ہوا ہے کہ ملک میں بیروزگاری اور کم ہوتی ہوئی اجرتوں کا سبب غیر ملکی کارکنان ہیں۔ جبکہ دیگر محققین نے تارکین وطن اور ترک وطن پر عوامی رویوں کو پرکھنے کے لیے معاشی معیار (criteria) کے استعمال پر سوال اٹھائے ہیں۔ معاشی پہلو کے علاوہ دوسری وجوہات مثلاً تعصب، سیاسی نظریات، عمر، جنس اور تعلیمی معیار وغیرہ یہ سب باتیں ترک وطن کے حوالے سے امریکی عوام کے رویوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہاں یہ چیز بھی اہم ہے کہ مقامی لوگوں میں سے کتنے افراد کو براہ راست تارکین وطن کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، ان کی ایک دوسرے سے واقفیت کی سطح کیا ہے اور وہ امیگریشن پالیسی اور شہری آزادیوں کے بارے میں کتنا کچھ جانتے ہیں اور کیا رائے رکھتے ہیں۔ ایک انتہائی متنازعہ پالیسی کے بارے میں عوامی رویوں کی وضاحت کرتے ہوئے ان متغیرات (variables) کا سمجھنا ضروری ہے۔

امریکہ میں ترکِ وطن کی سطح

اس سوال کے جواب میں کہ امریکہ کی ترک وطن کی موجودہ سطح برقرار رہنی چاہیے یا اس میں کمی یا بیشی ضروری ہے؟ تو اکتوبر/نومبر ۲۰۰۱ء کے سروے کی رپورٹ کے مطابق تقریباً ۳۳ فیصد کا جواب تھا کہ موجودہ سطح برقرار رہنی چاہیے۔ نصف سے ذرا زیادہ یعنی ۵۲ فیصد کا خیال تھا کہ تارکین وطن کی تعداد کم ہونی چاہیے اور صرف ۸ فیصد نے ترک وطن کی تعداد میں زیادتی کی حمایت کی۔ یہ سوال ۱۹۶۰ء سے لے کر اب تک کی رائے شماریوں میں مسلسل پوچھا جاتا رہا ہے اور اب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ میں ترک وطن کی مخالفت میں خاصہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں جب کانگریس نے تارکین وطن کے داخلے کے بارے میں "نیشنل اوریجن کوٹا سسٹم" ختم کر دیا تھا تو صرف ۳۳ فیصد امریکی عوام نے ترک وطن کی تعداد کم کرنے کی حمایت کی تھی۔ ۱۹۸۶ء تک یہ حمایت ۴۹ فیصد ہوگئی، ۱۹۹۵ء میں یہ تعداد ۶۶ فیصد تک پہنچ گئی۔ بالفاظ

دیگر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس پورے عرصے کے دوران امیگریشن کے بارے میں امریکی عوام کی رائے منقسم ہوگئی اور امیگریشن کی سطح کو کم کرنے کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

جب عربوں اور مسلمانوں کے امریکہ ترک وطن کے بارے میں خصوصیت سے سوال کیا گیا تو بھی جواب بہت زیادہ مختلف سامنے نہیں آیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے اس جداگانہ سروے کے مطابق ۳۴ فیصد افراد نے عومی امیگریشن کی موجودہ سطح برقرار رکھنے کی حمایت کی تھی جبکہ عربوں اور مسلمانوں کی امیگریشن کی موجودہ سطح برقرار رکھنے کی حمایت کرنے والوں کی تعداد بڑھ کر ۳۹ فیصد ہوگئی۔ تاہم صرف ۳ فیصد نے عربوں اور مسلمانوں کی امیگریشن میں اضافہ کرنے کی حمایت کی جبکہ عمومی امیگریشن میں اضافے کی حمایت کرنے والوں کی تعداد ۱۰ فیصد تھی۔ اس سروے کے مطابق تقریباً نصف جواب دہندگان نے ترک وطن (امیگریشن) کی سطح کم کرنے کی حمایت کی۔ ۵۱ فیصد نے عربوں اور مسلمانوں کی امیگریشن میں کمی اور ۵۲ فیصد نے عمومی طور پر اس کمی کی حمایت کی۔

نئے تارکین وطن کے ساتھ جان پہچان

تاہم کہانی اس وقت بدل جاتی ہے جب ہم تارکین وطن سے 'براہ راست واقفیت' کے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں کنیکٹی کٹ یونیورسٹی کے شعبہ ریسرچ اور تجزیہ کے تحت کیے گئے ایک سروے کے دوران ہم نے لوگوں سے سوال کیا آیا وہ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس نے امریکہ ترک وطن کیا ہو؟ ہم یہ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کیا کسی کی تارکین وطن کے ساتھ ذاتی واقفیت ترک وطن کے بارے میں اس کے رویے پر اثر انداز ہوتی ہے؟ سروے کے نتائج کے مطابق تقریباً نصف (۴۴ فیصد) جواب دہندگان نے، جو کسی تارک وطن کو ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے، ترک وطن کی موجودہ سطح کو کم کرنے کی حمایت کی۔ یہ تعداد مجموعی جواب دہندگان (تارکین وطن سے جان پہچان رکھنے والے اور نہ رکھنے والے) سے تھوڑی سی زیادہ ہے جن میں سے ۳۷ فیصد نے تارکین وطن کی تعداد میں کمی کی حمایت کی تھی۔

ان اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ کسی تارکِ وطن سے واقف نہیں وہ ترک وطن پر قدغنیں لگانے کے زیادہ حامی ہیں۔ وہ ایسی پالیسیاں چاہتے ہیں جن سے ملکی سرحدوں پر کنٹرول کا معیار

بہتر ہو اور قانونی تارکین وطن کے ملک میں داخلے میں کمی ہو جائے۔

ہمارے اکتوبر/ نومبر ۲۰۰۱ء کے سروے میں بھی اس طرح کے سوالات کو شامل کیا گیا تھا۔ خصوصاً ہم نے جواب دہندگان سے پوچھا کہ کیا ان کا کوئی رشتہ دار یا دوست یا عزیز گزشتہ دس سالوں کے دوران امریکہ میں ترک وطن کرنے والوں میں شامل ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ اگر کسی کا دوست یا رشتہ دار امریکہ میں ترک وطن کر کے آیا ہے تو اس کے مقامی فرد کے تارکین وطن کے بارے میں رویے پر مثبت اثرات ہوتے ہیں ایسے دس میں سے چار افراد امیگریشن کی موجودہ سطح سے مطمئن تھے جبکہ تمام ۲۲ فیصد نے اس سطح میں اضافے کی حمایت کی۔ یاد رہے کہ عمومی سروے میں صرف ۱۰ فیصد نے اضافے کی حمایت کی تھی۔

ترک وطن کی مخالفت کا انحصار بہت حد تک اس پر ہے کہ کسی کا کوئی دوست یا رشتہ دار تارکین وطن میں شامل ہے۔ ایسی واقفیت والے افراد کی صرف ۳۴ فیصد تعداد نے ترک وطن کی سطح کم کرنے کی حمایت کی جبکہ جن کا کوئی رشتہ دار ایسا نہیں ان کی نصف سے بھی زیادہ تعداد (۵۷ فیصد) نے ترک وطن کی سطح کم کرنے کی حمایت کی۔ اپنے جداگانہ سروے میں نصف جواب دہندگان سے ہم نے یہ سوال پوچھنے کی بجائے کہ کیا ان کے قریبی رشتہ دار یا قریبی دوست حالیہ تارکین وطن میں شامل ہیں یہ سوال پوچھا کہ کیا پچھلے دس سال کے دوران ترک وطن کر کے امریکہ آنے والے مسلمانوں یا عربوں میں ان کے کوئی رشتہ دار یا قریبی دوست شامل ہیں؟ جن لوگوں سے خصوصی طور پر عربوں اور مسلمان تارکین وطن کے ساتھ جان پہچان کے متعلق پوچھا گیا تھا ان سے یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں کہ آیا مسلمانوں اور عربوں کے ترک وطن کی یہی موجودہ سطح بہتر ہے یا اسے بڑھانا یا کم کرنا چاہیے؟ ان میں سے جنہوں نے کہا کہ موجودہ تارکین وطن میں ان کے جاننے والے بھی ہیں ۶۰ فیصد نے عرب اور مسلمان تارکین وطن کی آمد کی موجودہ سطح کی حمایت کی ہے۔ یہ بات عمومی سروے کے مقابلے میں جس میں ۳۹ فیصد نے موجودہ سطح برقرار رکھنے کی حمایت کی تھی عربوں اور مسلمانوں کے حوالے سے ایک واضح فرق کو ظاہر کرتی ہے۔

امریکہ میں ترک وطن یا امیگریشن کا جائزہ لینے والے اکثر افراد کو یہ بات شائد معقول نظر آئے کہ امریکی عوام تمام غیر ملکی تارکین وطن کو یکساں نظر سے نہیں دیکھتے اور کچھ لوگوں کو بظاہر زیادہ خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں لیے گئے اعداد و شمار کے مطابق آئرش، پولش، چینی اور کوریائی تارکین وطن کی امریکہ میں زیادہ حمایت موجود ہے جبکہ میکسیکن اور ویتنامیوں کو نسبتاً کم اور ایران، ہیٹی اور کیوبا سے آنے والے کو منفی انداز میں دیکھا جاتا ہے۔

اس بات کی تحقیق کے لیے ہم نے ۱۹۹۸ء میں سروے کے دوران یہ سوال پوچھا کہ آیا چند گروپوں کو امریکہ میں ترک وطن سے بالکل روک دیا جائے یا اس میں کمی کی جائے۔ ہم نے قومیت کی بجائے مخصوص گروپوں کے بارے میں پوچھا کیونکہ ہم صرف عربوں اور مسلمان تارکین وطن کے بارے میں جاننا چاہتے تھے کہ لوگوں کے کیا تاثرات ہیں۔ مسلمان جو ایک مخصوص قسم کا مذہبی رجحان رکھنے والے لوگ ہیں نہ کہ کسی مخصوص قومیت کے حامل۔ ہم نے عام مسلمان تارکین وطن کے بارے میں رویے کا تقابلی جائزہ، عراقیوں، میکسیکن، آئرش اور انگریزی بولنے والے کینیڈین تارکین وطن سے کیا۔ مجموعی نتائج کے مطابق ۱۹۹۸ء میں دس میں سے تقریباً سات (۶۸ فیصد) نے عراقیوں کو امریکہ آنے سے روکنے کی خواہش ظاہر کی نصف سے زیادہ یعنی ۵۷ فیصد نے میکسیکو کے تارکین وطن پر مکمل پابندی لگانے یا ان کی تعداد کو انتہائی کم کرنے کا اظہار کیا۔ تقریباً نصف یعنی ۴۶ فیصد نے مسلمانوں کے مزید امریکہ میں ترک وطن کر کے آنے کی مخالفت کی۔ تقریباً ۲۷ فیصد نے آئرش اور انگریزی بولنے والے کینیڈین تارکین وطن پر مکمل پابندی لگانے یا ان کی تعداد گھٹانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اگر تارکین وطن سے واقفیت یا تعلق کو ایک آزاد متغیرہ (variable) مانا جائے تو مذکورہ بالا گروپوں کے ترک وطن پر پابندیوں کی حمایت کم ہو جائے گی۔

۲۰۰۱ء کے سروے میں بھی ہم نے لوگوں سے وہی سوالات پوچھے اور ان میں افغانی تارکین وطن کے نام کا اضافہ کر دیا۔ نتائج ۱۹۹۸ء میں ہماری تحقیقات کی تصدیق کرتے ہیں۔ یعنی آئرش اور انگریزی

بولنے والے کینیڈین لوگوں کے متعلق بالترتیب ۲۶ فیصد اور ۲۳ فیصد نے ان لوگوں کی آمد کو بالکل روکنے یا پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے۔ تاہم میکسیکن تارکین وطن پر پابندی کی حمایت میں ۷ فیصد کمی ہوئی ہے (یعنی ۱۹۹۸ء میں ۵۷ فیصد لوگ ان پر پابندی پر متفق تھے جبکہ ۲۰۰۱ء میں صرف ۵۰ فیصد لوگ اس بات پر متفق ہیں)۔ ایک مرتبہ پھر دس میں سے سات نے عراقیوں کے امریکہ میں ترک وطن پر پابندی کا مطالبہ کیا ہے۔ افغانیوں کے بارے میں کوئی اچھا تاثر نہیں ہے۔ دس میں سے چھ سے زیادہ یعنی ۶۳ فیصد جواب دینے والوں نے افغانیوں کے امریکہ میں ترک وطن پر مکمل طور پر پابندی لگانے یا ان کی تعداد انتہائی کم کرنے کی حمایت کی ہے۔

عرب اور مسلمان تارکین وطن کے ساتھ واقفیت اور پہچان

مذکورہ سروے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ میں موجودہ تارکین وطن میں کسی قریبی دوست یا خاندان کے کسی فرد کا ہونا عوام میں ترک وطن کے خلاف جذبات کو کم کر دیتا ہے اور اس مطالعے سے پہلی مرتبہ یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ وہ لوگ جو عربوں اور مسلمانوں کے دوست ہیں یا کسی طرح سے ان کا آپس میں کوئی تعلق بنتا ہے ان میں باہر کے دوسرے گروپوں کے ترک وطن کے پر پابندی لگائے جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جن کا عرب یا مسلم دنیا سے حال ہی میں آنے والے تارکین وطن سے کوئی تعلق ہے وہ عام امریکی عوام سے بھی زیادہ میکسیکن تارکین وطن پر مکمل پابندی لگانے یا انہیں محدود کرنے کے حق میں ہیں۔ دس میں سے سات نے جن کا کوئی رشتہ دار عرب یا اسلامی دنیا سے ہے میکسیکن تارکین وطن پر پابندی لگانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اگرچہ میکسیکن اور مسلم تارکین وطن کے بارے میں عمومی تاثر تقریباً ایک جیسا ہی ہے (بالترتیب ۵۰ اور ۵۱ فیصد امریکی ان دونوں طرح کے تارکین وطن پر پابندیوں کی حمایت کرتے ہیں) تاہم جن کا کوئی رشتہ دار یا عزیز عرب اور مسلم تارک وطن ہے وہ سخت میکسیکن مخالف پابندیوں کا رجحان رکھتے ہیں۔ اس سروے سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ عام عوامی تاثر میکسیکن تارکین وطن کے بارے میں ۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۱ء کے دوران بہتر ہوا ہے۔ ان تین سالوں میں ان پر پابندیوں کو حمایت ۵۷ فیصد سے گر کر ۵۰ فیصد ہو گئی ہے۔ جبکہ اسی دوران مسلم تارکین وطن کے بارے میں عام عوامی تاثر

خراب ہوگیا ہے۔ مسلم ترک وطن پر پابندیوں کی حمایت جو ۱۹۹۸ء میں ۴۶ فیصد تھی ۲۰۰۱ء میں بڑھ کر ۵۱ فیصد ہوگئی۔ یہاں ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے مثال کے طور پر چونکہ میکسیکن تارکین وطن کے حالات زیادہ بہتر ہیں اس لیے عرب اور مسلم تارکین وطن کے رشتہ دار مقابلتاً خود کم کمزور حیثیت میں محسوس کرتے ہوں۔ عوامی نظر میں میکسیکن تارکین وطن کا وقار جتنا بڑھ رہا ہے عرب مسلمان تارکین وطن اس حوالے سے اتنا ہی خسارے میں جارہے ہیں۔

ماحصل

حالیہ دہشت گرد حملوں اور مزید خطرات کے پیش نظر ریاست ہائے متحدہ امریکہ ترک وطن پر کنٹرول کے معاملے میں گہری تشویش کے دور سے گزر رہا ہے اور توقع ہے کہ اس موضوع پر بحث مباحثہ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سروے کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ امریکہ میں ترک وطن یا امیگریشن کے بارے میں مجموعی طور پر عوامی رویہ خاصا منفی ہے تاہم وہ لوگ جنہیں تارکین وطن سے براہ راست واسطہ پڑتا ہے یا کوئی تارکین وطن ان کے حلقہ احباب یا قرابت داروں میں شامل ہے وہ ترک وطن کی موجودہ سطح سے مقابلتاً مطمئن ہیں۔ ترک وطن یا تارکین وطن کے بارے میں شکوک وشبہات اور خدشات کیوں پائے جاتے ہیں؟ نئے تارکین وطن (گزشتہ دس سال کے دوران امریکہ آنے والے) کے بارے میں معلومات اور ان سے براہ راست واقفیت نہ ہونا ایک اہم عامل ہے۔ امریکہ میں تارکین وطن سے براہ راست واقفیت ترک وطن (امیگریشن) کے خلاف ردعمل کو خاصا کم کردیتی ہے۔ ان اعداد و شمار سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ نسلی اور مذہبی حدود سے باہر مثبت تعلقات کے لیے مواقع میں اضافہ سے بین الجماعتی یا مختلف گروہوں کے مابین تعلقات کو فائدہ پہنچے گا۔

کم ہی اقوام ہیں جو داخلی اور عالمی حالات کے بارے میں اتنی خود شناسی کے ساتھ عوامی تصور پیش کرتی ہیں اور جو اپنی علامات، اصطلاحات اور حرکیات میں ترک وطن اور تنوع یا گوناں گونی کے حوالے سے فراخ دل ہیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر ممکن ہے پاکستانی سکول کا کوئی طالب علم بہت سے یورپی ممالک یا جنوبی امریکی ممالک کو شناخت کرنے میں دشواری محسوس کرے لیکن اس کا پورا پورا امکان ہے کہ